اللہ کا پیار دل میں ہوگا تو کائنات کے رازوں پر دسترس ہوگی۔ اُتنا ہی خدا کی محبت آپ کے دل پر غالب ہوگی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 /اکتوبر 1996ء بمقام بیت نور اوسلو، ناروے)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩١﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى
جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ
تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا
إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٤﴾
رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ
لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿١٩٥﴾ (آل عمران: 191 تا 195)

پھر فرمایا:

یہ آیات کریمہ جن کی میں نے تلاوت کی ہے جب بھی میں ناروے آتا ہوں مجھے بکثرت یاد آتی ہیں اور کوئی ایسا سفر نہیں جس میں صبح شام ذہن میں ان آیات کا مضمون نہ گھومتا ہو کیونکہ جن

آیات کا یعنی موسم اور حالات کے ادلنے بدلنے کا اور قدرت کے رازوں کا ذکر جو مومنوں پر کھولے جاتے ہیں ان آیات میں ملتا ہے ان کا ایک گہرا تعلق ناروے سے ہے اگر چہ دنیا کے ہر خطے سے ہے۔اس لئے ناروے میں آکر جتنا یہ آیات یاد آتی ہیں اتنا ہی دل میں تکلیف کا احساس بڑھتا ہے کہ ہم اس ملک کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکے اور جو اس ملک کا حق تھا جو اس ملک کے نمک کھانے کا حق تھا وہ ہم نے ادا نہیں کیا۔اس مضمون پر غور کرتے ہوئے اس سفر میں جو چند دن کے لئے آپ سے جدا ہوا تھا اور ناروے کے بعض حصوں کا سفر کیا تھا اس میں ان آیات نے میرے ذہن اور دماغ پر قبضہ کئے رکھا اور اب مجھے یہ خیال آیا کہ انہی آیات کے حوالے سے میں ان مسائل کا حل تلاش کروں جو مومن کے اندر صرف جذبات ہی کو حیرت انگیز طور پر ولولے عطا نہیں کرتیں بلکہ ذہن کو بھی تیز کرتی ہیں اور عقل کو بھی مسائل تک رسائی بخشتی ہیں۔

سب سے پہلی بات کہ وہ کیا طریق اختیار کیا جائے جس سے جماعت کے اندر ایک ولولہ پیدا ہو جائے ،ایک ایسی لگن لگ جائے جس کے نتیجہ میں وہ اس ملک میں اسلام پھیلانے کا حق بہر حال ادا کریں اور کوئی روکے بھی تو ان سے روکا نہ جائے۔انہی آیات میں موجود ہے کہ یہ طریق، یہ جذبہ اور یہ توفیق عشق الٰہی کے بغیر مل نہیں سکتی کیونکہ جو نقشہ کھینچا گیا وہ یہ ہے کہ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور صبح کے ادلنے بدلنے میں لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ نشان تو بہت ہیں مگر عقل والوں کے لئے بکثرت نشان ہیں اور عظیم الشان نشان ہیں لیکن عقل والوں کی تعریف کیا فرمائی گئی ہے۔ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ عقل والے تو وہ ہیں جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر بھی اور لیٹے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ اور اپنے پہلوؤں پر بھی وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اس محبت کے جذبے سے جب وہ زمین و آسمان کی پیدائش پر غور کرتے ہیں تو بے اختیار ان کے منہ سے یہ دعا نکلتی ہے۔رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ باطل پیدا نہیں کیا۔اتنا عظیم الشان کارخانہ ہے اتنے گہرے حکمت کے راز ہیں کہ ان پر نظر ڈال کر کوئی انسان یہ وہم بھی نہیں کر سکتا کہ یہ سب چیزیں ازخود اور بے مقصد پیدا ہوئی ہیں اور ایک اندھی

Evolution نے کائنات کو اس مقام تک پہنچایا جس پہ ہم دیکھ رہے ہیں اور اس مقام تک پہنچا کر زندگی کو ساتھ ترقی دیتے ہوئے اس مقام تک پہنچایا کہ وہ زندگی دیکھ سکے کہ یہ کائنات کیا ہے اور اس کا حسن کیا ہے؟ یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہو کر پھر ان مومنوں کی تخلیق کرتی ہیں جن کا ان آیات میں ذکر ہے کہ جب وہ مومن جو خدا کی محبت میں مدہوش رہتے ہیں جب وہ غور کرتے ہیں تو لازماً ان کے دل خدا تعالیٰ کی محبت میں اور بھی زیادہ گھائل ہو جاتے ہیں اور لازماً ان کی توجہات زمین و آسمان کے رازوں کو سمجھنے کی طرف مبذول ہوتی ہیں اور نتیجہ سب ایک ہی نکالتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اے ہمارے رب تو نے یہ چیزیں باطل پیدا نہیں کیں۔

اس بار جب میں نے اس مضمون پر غور کیا تو ایک اور نکتہ جو سمجھ آیا وہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے یہ آیت محض ناروے کے لئے تو پیدا نہیں کی تھیں۔ وہ بیابان عرب جہاں حضرت محمد مصطفی ﷺ پیدا ہوئے وہ آواز جو آپؐ نے صحرائے عرب سے بلند کی وہ سب سے زیادہ ان آیات کے مطابق ایک ایسا وجود پیش کرتی ہے جو دن رات خدا کی محبت میں مبتلا تھا اور اس نے تو ان ملکوں کی سیر نہیں کی جو دنیا کی نظر میں بہت ہی خوب صورت اور غیر معمولی طور پر قدرتی نظاروں سے ایسے مزین کئے گئے ہوں۔ اس نکتہ پر غور کرتے ہوئے مجھے اپنے بچپن سے لے کر اب تک جو ذہنی سفر ہے وہ یاد آیا اور میں نے سوچا کہ میں آپ کو بھی اس بات سے مطلع کروں کہ حسنِ قدرت کے لئے محض پہاڑوں اور سبزہ زاروں اور بادلوں اور بجلی کی چمک اور بجلی کی گھن گرج اور آبشاروں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ حسن تو جو شاہکار بنانے والا ہے یا شاہکار ایسے تصویر بنانے والے کی ذات میں ہوتا ہے جو مصور ہے اور جسے شاہکار بنانے کی توفیق ملتی ہے اور مصور کے حالات پر جب غور کریں اور اس کے کاموں کو دیکھیں تو ضروری نہیں ہے کہ مصور کوئی بہت ہی خوب صورت چیز بنائے اور اس پر آپ کے دل سے اس کے لئے تعریف کے جذبے بے اختیار اُبلیں بلکہ وہ مصور جو اپنے فن میں کامل ہے وہ ایک بھیانک منظر بھی پیش کرتا ہے تو اس میں ایک حیرت انگیز حسن پوشیدہ ہوتا ہے، وہ حسن کمال ہے۔ پس وہ خدا جو خلق میں کمال رکھتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی خالق ہو نہیں سکتا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون:15) ایسا خدا ہے جس سے بڑھ کر کوئی حسین خالق بن نہیں سکتا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بھی بنایا ہے اس میں بھی ایک حسن رکھ دیا ہے۔ چنانچہ اس دوران مجھے وہ بعض صحرائی علاقوں

کے سفر بھی یاد آئے ، بعض بنجر بیابان بھی آئے جہاں بعض دفعہ گھنٹوں بیٹھا رہا کرتا تھا اور اس بنجر میں بھی ایک ذاتی حسن تھا، ان ریگستانوں میں بھی ایک ذاتی حسن تھا جو دل و دماغ پر قبضہ کئے ہوئے تھا اور پھر جب آپ غور کا سفر شروع کریں تو گردوپیش بہت سی ایسی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں جو پہلے دکھائی نہیں دیتی تھیں اور یَتَفَكَّرُوْنَ کا جو لفظ ہے اس نے مجھے یاد دلایا کہ بسا اوقات جب میں نے ان جذبوں میں ڈوب کر اپنے گردوپیش کی زمین پر نظر ڈالی تو وہاں عجیب عجیب چیزیں دکھائی دینے لگیں کچھ کیڑے، کچھ جانوروں کے چھوڑے ہوئے غار نما خلا یا غاریں تو نہیں کہہ سکتے مگر بھٹ کہتے ہیں غالباً، جانوروں کی وہ جگہیں جہاں وہ سر چھپانے کے لئے پناہ لیا کرتے ہیں، پھر ایسے بل دکھائی دیئے جو بعض دفعہ سانپوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں، بعض دفعہ چوہوں کی، بعض دفعہ اور جانور کھودتے ہیں کوئی دوسرے ان میں آ کر پناہ لیتے ہیں۔ پھر اردگرد وہ مخلوق دکھائی دینے لگی جو حیرت انگیز طور پر ہر ایک ان میں سے خدا تعالیٰ کے تخلیق کے کمال کی گواہ بنی ہوئی تھی ۔ وہاں کے مچھر، وہاں کی مکّھیاں، وہاں کے مختلف قسم کے پرندے اور چرندے اور جانور جو دوسرے جانوروں کا شکار کر کے پلتے ہیں ان سب کے وجود کے آثار وہاں دکھائی دینے لگے اور میں حیرت میں ڈوب گیا کہ یہ دیکھو یہ دنیا جو پہلے نظر نہیں آتی تھی اب پتا چلا کہ کوئی بھی زمین ایسی نہیں کوئی زمین کا ایسا چپہ نہیں ہے جہاں خدا تعالیٰ نے اپنی صناعی کے شاہکار کے نشان نہ چھوڑے ہوں۔

وہاں ہی میں نے ایک چھوٹی سی صحرائی چڑیا دیکھی یعنی ایک معین واقعہ کی یاد آپ کو دلا رہا ہوں کوئی فرضی سیر نہیں کر رہا۔ ایسے وقت کی سیر کرا رہا ہوں جو میں نے واقعۃً گزارا اور جو کچھ میں نے سوچا، جو کچھ میں نے دیکھا وہ اس آیت کے حوالے سے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب میں نے اس مضمون پر غور کیا کہ کیا ناروے ہی ایک ایسا ملک ہے جو خدا تعالیٰ کی حسن صنائی کی یاد دلانے والا ہے تو اس وقت میرے خیالات ان رستوں پہ چل پڑے اور سب سے پہلے مجھے عرب کے صحرا کا تصور آیا کہ سب سے زیادہ حسین انسان جس نے خدا کو سب سے زیادہ حسین صورت میں دیکھا ہے وہ تو عرب کے ریگستان میں پیدا ہوا تھا اس لئے یہ آیت ہر انسان کو مخاطب ہے اور اس شان سے مخاطب ہے کہ جس کے نتیجہ میں اگر آپ اس کی شان سے مرعوب ہو کر وہ تصورات کا سفر اختیار کریں جس کی طرف اس آیت نے اشارہ کیا ہے یعنی يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو جہاں بھی

آپ ہوں لق و دق صحرا میں ہوں یا شاداب سبزہ زاروں اور آبشاروں کے ملک میں ہوں ہر جگہ آپ کو خالق کی صناعی کے شاہکار دکھائی دیں گے۔ایک چھوٹا سا خوبصورت سا پرندہ اچھل کر سامنے آیا اور میں حیرت سے اس کو دیکھنے لگا بہت ہی چھوٹا لیکن اتنے متوازن اس کے اعضاء اور ایسا ہلکا پھلکا بدن اور اس قدر اس کے رنگوں میں حسن ،اس کے رنگوں کا حسن شوخی نہیں رکھتا تھا جیسا کہ بعض ملکوں کے پرندوں کے رنگوں میں شوخی پائی جاتی ہے بلکہ اس مزاج کے ساتھ آہنگ تھا لیکن غور کرنے پر جب اس پر میں نے گہری نظر ڈالی تو میں حیران رہ گیا کہ اس موقع اور محل کے مطابق اس سے خوبصورت ،اس سے بہتر ،اس سے زیادہ موزوں پرندہ ان حالات میں کوئی بڑے سے بڑا سائنس دان بھی تجویز نہیں کر سکتا تھا کوئی بڑے سے بڑا صناع بھی سوچ نہیں سکتا تھا اور عین ان حالات کے مطابق اس کی غذا وہاں مہیا تھی۔ان غاروں میں چھپے ہوئے یا ان بلوں میں گھسنے والے مختلف جانوروں کی غذا بھی وہاں مہیا تھی اور وہ ساری جگہ جو پہلے سنسان دکھائی دے رہی تھی کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی یوں لگا جیسے اچانک جاگ اٹھی ہے، ہر طرف اللہ تعالیٰ کے حسن کی گواہیاں دینے والے پیدا ہو گئے۔

اس مضمون کو میں نے ایک دفعہ پھر اس طرح یاد کیا کہ انگلستان کے ایک قدرتی مناظر کی تصویریں لینے والے اور ان پر غور کرنے والے اور بہت خوبصورت انداز میں Mr. David Attenborough ان کو پیش کرنے والے ہیں کہ ان کی کتب جب بھی میں پڑھتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کو ایمان نصیب ہوتا تو یقیناً اس آیت کے مصداق یہ بھی بن جاتے جس کی میں نے تلاوت کی ہے ۔وہ آپ کو جنگلوں ،صحراؤں میں ،دلدلوں میں لے جاتے ہیں ایسی جگہوں پر جہاں بظاہر زندگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے پھر وہ مٹی کھودتے ہیں پھر وہ ریت کریدتے ہیں دلدلوں میں ،مٹھی بھرتے ہیں دلدلوں سے اور ہاتھ نکال کے دکھاتے ہیں تو وہاں عجیب و غریب قسم کی مخلوقات جو ان حالات کے لئے انتہائی موزوں ہے وہ اپنے کاروبار میں مصروف دکھائی دیتی ہے۔پھر اس کی زندگی کے صبح و شام پر وہ روشنی ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا سائنس دان جس کو قدرت کے ان حیرت انگیز نظاروں پر خدا تعالیٰ نے ایسی دسترس بخشی ہو یعنی اس کا ذہن رسا ان کی گہرائیوں تک اترتا ہو وہ ایمان سے کیسے محروم ہے۔ایک دفعہ میں نے اپنے ایک ایسے دوست کو جو میرا خیال تھا کہ Mr. David Attenborough کو جانتے ہوں گے ان سے میں نے

درخواست کی کہ اس شخص سے ملنے کا مجھے بہت شوق ہے۔ میں کریدنا چاہتا ہوں کہ ان سب رازوں تک رسائی کے باوجود اس کا ذہن کیوں اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ باطل پیدا نہیں کیا۔

تو آپ کو خدا تعالیٰ نے ایسے ملک میں پیدا کیا ہے جہاں خدا کی صناعی کا حسن ظاہر و باہر ہے جہاں مٹی کرید کر نہیں دیکھنا پڑتا، جہاں سناٹوں میں ڈوب کر گہری نظر سے اردگرد کی مخلوق کو اچانک، کوشش سے جاگتے ہوئے دیکھ کر پھر یہ خدا کی یادوں کا سفر نہیں کرنا پڑتا بلکہ یہاں تو اللہ کی یادیں آپ کے سامنے چاروں طرف آپ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ حسین مناظر جو اس ملک میں ہیں وہ تو اپنے ہواؤں کے لطف کے لحاظ سے اندھوں کو بھی دکھائی دینے چاہئیں۔ جو ہوائیں یہاں چلتی ہیں ان کا ایک عجب لطف ہے جس کے متعلق ساری دنیا کے ماہرین کہتے ہیں کہ ایسی شفاف ہوا، ایسی صحت افزا ہوا جیسی ناروے میں ہے دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں انہوں نے کوڑھیوں کے لئے ایک تجربہ گاہ بنائی اور مجھے پہلے تو اچھا نہیں لگا یہ خیال، اتنے پاک، صاف ستھرے ملک کی ہوا کوڑھیوں کی سانسوں سے بیمار کرنے کی کوشش کی جائے مگر وہ جو تجربہ کرنا چاہتے تھے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس کے متعلق ہم یقین سے کہہ سکیں کہ ان تجربوں میں کوئی دوسری بیماری مخل نہیں ہوگی سوائے ناروے کے اور کوڑھیوں پر تجربے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ اللہ بہتر جانتا ہے وہ کہاں بنائے گئے ہیں لیکن سائنس دانوں کا یہ خیال تھا کہ وہ فضا کو مسموم نہیں کریں گے بلکہ ان کو کوڑھیوں کی شفا کے لئے خدا تعالیٰ کچھ اور نئے راز عطا کردے گا جو پہلے معلوم نہیں تھے۔ کہاں تک یہ درست ہے یہ الگ بحث ہے۔

میں واپس اس مضمون کی طرف آتا ہوں کہ آپ کو تو خدا تعالیٰ نے اپنے ظاہر و باہر حسن کا نظارہ کرایا ہے جیسا کہ غالب کہتا ہے:

ؔ جب وہ جمال دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز

آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں؟ (دیوان غالب: 187)

یعنی کائنات ساری خدا کے حسن کے پردے ہیں اور ان پردوں میں خدا کا حسن چھپا ہوا ہے مگر ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے اگر وہ گہری نظر سے ان پردوں کے پیچھے حسن کو تلاش کرنے کی

کوشش کرے۔ وہ پردے بولنے لگتے ہیں۔ وہ پردے اس حسن کو ظاہر کر دیتے ہیں اگر آپ کو دیکھنے کی آنکھ نصیب ہو۔ مگر اس کے علاوہ ایسی بھی صورت ہوتی ہے جیسا کہ غالب نے کہا کہ:

ع جب وہ جمال دل فروز، صورت مہر نیم روز

جب وہ دل کو بھڑکا دینے والا جمال دن چڑھے کے سورج کی طرح ظاہر ہو جائے تو ''پردے میں اسے چھپائے کیوں'' کون ہے جو اس کو دیکھ سکتا ہے، وہ تو نظروں کو خیرہ کر دے گا۔ ایسی صورت میں اسے پردوں کی کیا ضرورت ہے۔ تو اگر اس شعر کا کوئی اطلاق کہیں ہوتا ہے تو وہ ناروے پہ ضرور ہوتا ہے مگر اس کے منفی معنوں کا بھی اطلاق ہو رہا ہے جس کی وجہ سے مجھے فکر ہوتی ہے اور تکلیف پہنچتی ہے کہ واقعی آنکھیں ایسی خیرہ ہوگئی ہیں کہ ان کو وہ حسن جو کھلا اور ظاہر وباہر ہے وہ دکھائی نہیں دیتا اور غافل رہتی ہیں۔ لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں اور خالق کی طرف دھیان نہیں جاتا بلکہ یہ حسن ہی ان کی نظر کی صلاحیتوں کو گویا جلا دیتا ہے اور خاکستر کر دیتا ہے۔

پس یہ وہ چیزیں ہیں جو اس سفر میں میں سوچتا رہا اور میں نے سوچا کہ اسی مضمون کو آج آپ کے سامنے رکھوں کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ظاہر وباہر حسن آپ کو دیکھنے کی توفیق بخشی ہے اس کو اگر آپ نہ پہچان سکیں اور اس کے نتیجے میں وہ مضمون دل میں پیدا نہ ہو جس کا ان آیات میں ذکر ہے اور بار بار سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں اچھلنے نہ لگے تو پھر آپ اس ملک کی خدمت کی کوئی توفیق نہیں رکھتے۔ پھر آپ جیسے چاہیں یہاں زندگی بسر کریں، جیسے چاہیں بلند ارادے باندھیں یہ وہ خدمت ہے جو محبت کے سوا نصیب نہیں ہوسکتی۔ پس محبت الٰہی ہی سب باتوں کا جواب ہے اور ایسے حسین ملک میں اگر آپ توجہات کو ان مناظر سے پیچھے خالق کائنات کی طرف دوڑا دیں، اگر اس کے تصور سے اپنے ذہن کو ضرور مزین کریں تو ناروے سے زیادہ حسن آپ کے ذہنوں میں، آپ کی شخصیتوں میں پیدا ہو جائے گا کیونکہ یہ تو ایک ظاہری حسن ہے مگر خدا کا تصور جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے جو راتوں کو بھی اٹھتے ہیں اور صبح بھی، کروٹیں بدلتے ہوئے بھی خدا کو یاد کرتے ہیں وہ حسن انسان کو ایک ایسے مجسم حسن میں تبدیل کر دیتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں ناممکن ہے کہ دوسرے اس کی طرف خدا کے حصول کے لئے دوڑیں نہیں اور اس کو اپنا وسیلہ بنائیں، یہ سارا مضمون اسی نتیجہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ جب وہ غور کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں تو ایک چیز ان کے دماغ میں ضرور جاگتی ہے کہ یہ باطل نہیں ہے۔ اتنا حیرت انگیز کارخانہ، ایسا متناسب یہ از خود بے وجہ، بے مقصد پیدا نہیں ہوسکتا۔ ایک کرسی کو آپ بنے ہوئے دیکھیں تو کوئی نہیں سوچ سکتا کہ از خود پیدا ہوگئی ہوگی کوئی نہیں سوچ سکتا کہ اگر از خود بھی پیدا ہوئی ہے تو بے مقصد ہے۔ صناعی کا ایک مقصد ہوتا ہے جو دکھائی دینے لگتا ہے اور ہم نے کئی قسم کے، رنگا رنگ کے ہٹ رستے میں دیکھے ہیں یعنی جن کو عام طور پر لوگ Huts کہتے ہیں یا جھونپڑیاں، یہاں کی جھونپڑیاں بھی بڑی خوبصورت ہیں۔ مگر بعض بالکل سادہ اور معمولی، بعض بہت زیادہ حسین اور مزین لیکن کسی گھٹیا سے گھٹیا ہٹ کو دیکھ کر بھی کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ بے مقصد یہاں کھڑی کر دی گئی تھی پرانے Barns جہاں توڑی وغیرہ اس قسم کے جانوروں کے چارے رکھے جاتے ہیں وہ ان کے کھنڈرات ہیں بہت ہی بدزیب لکڑیاں گل گئیں، رنگ بگڑ گئے، چھتیں ٹوٹ گئیں لیکن ان کو دیکھ کر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بے مقصد پیدا کئے گئے تھے۔

پس یہی آواز ہے جو مومن کے دل سے ان باتوں پر غور کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور بڑے زور سے اٹھتی ہے کہ اے خدا! تو نے ان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پس ہمیں تو آگ کے عذاب سے بچا۔ اب دیکھیں ان دونوں باتوں کا کیا جوڑ ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا ان چیزوں کو اس لئے تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ لوگ یہ سن کر آگے گزر جاتے ہیں لیکن ٹھہر کر سوچتے نہیں کہ اس کا آگ کے عذاب سے آخر کیا تعلق ہے۔ کائنات کو دیکھا بے مقصد پیدا نہیں ہوئی یہ خیال آیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گائے بات وہیں ختم ہو جانی چاہئے۔ مگر جن مومنوں کی بات ہو رہی ہے جن کی یادیں ہمیشہ خدا سے وابستہ رہتی ہیں جو رات اور دن کو اللہ کی محبت میں اٹھنے والے لوگ ہیں ان کا ذہن صرف ان نظاروں میں نہیں اٹکا رہتا جو وہ دیکھتے ہیں بلکہ لازماً اپنی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ سوچتے ہیں کہ یہ جو سامنے کے مناظر ہیں یہ کائنات جو ہمیں دکھائی دیتی ہے ہم تو اس سے بہت ہی زیادہ ناقابل بیان حد تک عظیم شاہکار ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت کا۔

اگر یہ زمین و آسمان اسی طرح رہ جاتے تو کون تھا جو خدا کے اس حسن کو اور خدا کی اس صنعت کو دیکھتا، پہچانتا اور اس کی وسعتوں اور عظمتوں میں ڈوب سکتا۔ انسان ہی ہے جو آخری شاہکار ہے۔ انسان کی ذات میں یہ کائنات زندہ ہوگئی ہے۔ یہ مٹی، یہ درخت، یہ گھاس، یہ نہ سوچنے والی

چیزیں اچانک حیرت انگیز طریق پر سوچنے لگی ہیں۔ پس قرآن کا یہ جو طرز کلام جس طرح اچانک رخ پھیرا گیا ہے وہ خود صناعی کا ایک حسن پیش کرتا ہے۔ اگر آپ اس مضمون کو نہ سمجھیں تو یہ دو باتیں بے معنی سی ہوں گی۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کیوں پھر آگ کے عذاب سے بچائے۔ اگر کائنات خوبصورت ہے تو اس کا تمہاری آگ سے کیا تعلق؟۔ تمہاری آگ سے یہ تعلق ہے کہ تم بھی خوبصورت ہو اور کائنات سے بہت زیادہ خوبصورت ہو، ساری کائنات کا خلاصہ ہو۔

انسان کی صناعی میں جو کچھ خلقت کی، تخلیق کی صنعتیں رکھ دی گئی ہیں باہر کی کائنات کا ان کے ساتھ کوئی بھی مقابلہ نہیں اور سب سے بڑی چیز سوچ، یہ مردہ کائنات اچانک جاگ اٹھی اور آپ کی صورت میں جاگی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں، آپ سن رہے ہیں، آپ محسوس کر رہے ہیں، آپ کا تصور وہاں تک جا پہنچا ہے جہاں تک اس کائنات کا وجود کسی صورت میں بھی آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔ زمین اپنی ساری عظمتوں کے ساتھ اگر اس میں انسان نہ ہوتا تو اپنے تصور کو دوسرے سیاروں تک نہیں پہنچا سکتی تھی، سورج تک بھی نہیں پہنچا سکتی تھی جس سورج سے وہ زندگی پارہی ہے۔ اگر آپ انسانی سوچ اور فکر کی صلاحیتوں سے الگ کر کے اس زمین اور اس خوبصورت کائنات کو دیکھیں تو انسان کو نکالتے ہی یہ کائنات آپ کو عدم میں ڈوبتی ہوئی دکھائی دے گی، کچھ بھی زمین کا باقی نہیں رہے گا، نہ ناروے ہوگا، نہ صحرائے عرب ہوگا، نہ دوسرے ممالک، نہ سمندر، نہ خشکیاں، کوئی بھی خدا تعالیٰ کی صنعتوں کا حسن اپنی ذات میں حسن کہلانے کا مستحق تو رہے گا مگر اسے حسن کہنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ جب دیکھنے کی آنکھ نہ ہو تو چیزیں عدم ہو جایا کرتی ہیں اسی لئے فلسفیوں نے اس پر ہمیشہ سے بحثیں اٹھائی ہیں۔ کئی فلسفی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات تو ہماری سوچ کے نتیجے میں ہے۔ اگر ہم اپنی سوچ کو سمیٹنا شروع کریں اور ہر چیز جو ہمیں دکھائی دیتی ہے، جو سنائی دیتی ہے، جو محسوس ہوتی ہے، جو ہمیں سردی یا گرمی پہنچاتی ہے اس سے اپنے سوچ کے تعلق کاٹ لیں تو ہم تو ہوں گے مگر یہ کائنات نہیں رہے گی۔ پس سوچنے والا ہے اور غور کرنے والا ہے جس کے متعلق بعض فلسفی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے وہی ہے ورنہ اس کے بغیر کوئی کائنات کا وجود نہیں۔ بعض کہتے ہیں کائنات کا وجود ایک بیرونی وجود ہے، سوچ کے ساتھ اس کا تعلق بس اتنا ہی ہے کہ اتفاق سے تم پیدا ہو گئے اور تم دیکھ رہے ہو ورنہ تم نہ بھی ہوتے تو کیا فرق پڑتا تھا۔ اس کے متعلق میں نے پہلے بھی کسی وقت قرآن کریم کا وہ

حل آپ کے سامنے رکھا تھا جو اس مسئلے کو حل کرتا ہے جس تک فلسفیوں کی نظر نہیں گئی۔ عالم اس ساری کائنات کو کہا گیا ہے اور عالم کی جگہ عالمین استعمال ہوا ہے یعنی مختلف وقتوں میں، مختلف صورتوں میں، مختلف دائروں میں یہ کائنات بٹی ہوئی ہے اس لئے عالمین ہے اور عالم کا مطلب ہے وہ چیز جس کا علم ہو۔ اب دیکھیں قرآن کریم نے سورہ فاتحہ کی پہلی آیت میں بِسۡمِ اللّٰهِ کے بعد اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ فرمایا کہ اللہ کی حمد کے گیت گاؤ سب حمد اسی کے لئے ہے جو تمام عالمین کا رب ہے۔ اب اس پہلو سے جب آپ غور کریں تو پتا چلے گا کہ سارے انسان، سارے سوچنے والے وجود کلیۃً مٹ جائیں تو عالمین اس لئے نہیں مٹیں گے کہ اللہ ہی ہے جو سب کو جانتا ہے اور ان کو معلوم کے دائرے سے آپ کبھی نکال ہی نہیں سکتے۔ اس لئے اس فلسفے کا جو الجھنیں پیدا کرنے والا فلسفہ ہے جس میں ڈوب کر جس کو حل کرنے کی کوشش میں آج تک کوئی فلسفی کامیاب نہیں ہوسکا، یورپ نے بھی بڑا زور مارا، بڑے بڑے اعلیٰ دماغ یہاں پیدا ہوئے کچھ اس طرف ہٹ گئے کچھ اس طرف ہٹ گئے مگر مسئلہ سمجھ نہیں آیا کہ واقعۃً اس میں سچائی تو ہے کہ اگر سوچ نہ ہو تو یہ کائنات کیا ہے کچھ بھی نہیں گویا مٹ گئی گویا اس کائنات کا وجود ہماری سوچ کے ظاہر ہونے سے پیدا ہوا اور جب ہم سوچتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ درست نہیں۔ ہم نہ بھی ہوتے تو کائنات رہتی لیکن کیسے پتا چلتا کہ کائنات ہے۔ اس بحث میں ہزاروں سال سے لوگ الجھے ہوئے ہیں لیکن حل نہیں کر سکے۔

قرآن کریم کی سورہ فاتحہ کی پہلی آیت نے اس مسئلے کو حل کر دیا۔ فرمایا تم اپنے زاویۂ نگاہ سے سوچتے ہو، تم سمجھتے ہو تم ہی ہو جس کی سوچ کے نتیجہ میں ایک بیرونی چیز دکھائی دے رہی ہے اور اس کے وجود کو ثبات ملا ہے لیکن تمہاری سوچ جاتی کہاں ہے، کہاں تک جا سکتی ہے؟ زمین کی جو پنہائیاں ہیں ان تک بھی تمہاری سوچ نہیں پہنچتی۔ تمہیں تو یہ بھی پتا نہیں کہ اس زمین کے اندر گہرائی تک کیا کچھ ہے اور بعد اس کے کہ سائنس دان ہمیشہ ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں اور اپنی جستجو کو آگے بڑھا رہے ہیں جیسا Mr. David Attenborough کا میں نے ذکر کیا وہ جگہیں جو زندگی سے خالی دکھائی دیتی تھیں ان کو جب کھولا، کھودا اور ٹٹولا تو وہاں زندگی کا ایک جہان دکھائی دیا مگر یہ بھی صرف ایک سطحی علم ہے۔ جو اس کے پس منظر ہے، اس کے پیچھے ہے ان کی خوراک کا نظام، کیسے ان کو عقل عطا کی گئی، کیسے ہر جانور کو اپنی مرضی اپنے مقصد کے رستے بتائے گئے کہ تم ان پر چلو تو تمہاری بقا کے

سارے سامان یہاں موجود ہیں۔کون سی ذات ہے جس نے ان کو سمجھایا اور کیسے ان کے چھوٹے چھوٹے دماغوں میں بلکہ ایسے جانوروں میں بھی جن کا دماغ ابھی پیدا نہیں ہوا ان کے مقصد کی باتیں اس طرح لکھ دی گئیں جیسے کمپیوٹر کسی چیز کو لکھ دیتا اور صرف پڑھنے والے پڑھ سکتے ہیں۔مگر اس کمپیوٹر کے لئے کوئی جگہ ہونی چاہئے جہاں وہ لکھا جائے۔یہ جو کمپیوٹر خدا تعالیٰ نے بنایا ہے وہ دماغ سے تعلق رکھتا ہے اور دنیا کے سارے ماہرین حیاتیات جو ہیں کہ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ان گنت تعداد ایسے کیڑے مکوڑوں بلکہ اس سے پہلے کی حالتوں کی ہے جب وہ کیڑے مکوڑے کہلانے کے مستحق نہیں ہیں، جن کے اندر دماغ کا کوئی وجود نہیں اور احساس کے کوئی ریشے نہیں ہیں، پھر بھی ان سب کو پتا ہے کہ ہم نے کہاں جانا ہے، کیا کرنا ہے، کیا کھانا ہے، کہاں سے کھانا، کہاں ہماری زندگی محفوظ ہے، کہاں ہماری زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔یہاں پہنچ کر وہ مزید سوچنا چھوڑ دیتے ہیں، تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کیا ہے مگر یہ علم ہے کہ ہو یہی رہا ہے۔

تو جس انسان کی سوچ اتنی محدود ہے کہ ایک کیڑے کی جو احساس کی طاقت ہے اس کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔نہیں جانتا کہ وہ کیسے کام کر رہی ہے اس سے جو عالم جاگا ہے اس کی حیثیت بھی کیا ہے۔ایک سرسری سا عالم جاگا ہے جو اصل عالم کے مقابل پر ایک پر پشہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ایک مچھر کے پر سے کم اس کی حیثیت ہے جو انسان کو ہے۔پس کتنی سی کائنات اس نے جگا دی ہے۔اکثر کائنات اسی طرح پڑی ہے جو اس کے لئے علم سے باہر ہے اور پھر فلسفیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے وجود سے کائنات ہے ہم سوچیں تو یہ کائنات بنتی ہے، نہ سوچیں تو کچھ بھی نہ رہے اس کا جواب قرآن کریم یہ دیتا ہے کہ اصل سوچنے والا تو خالق ہے۔رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہی نہیں بلکہ ان کو پالنے والا ہے اور علم کی انتہا کے بغیر پالنا ممکن نہیں۔جتنے بھی جاندار دنیا میں زندہ ہیں ان کو پالنے کے گہرے علم کی ضرورت ہے کہ ان کو کس چیز کی ضرورت ہے، کتنی ضرورت ہے، کیا ان کو خدا ہوشیاریاں عطا کرے تو بعض ماحولوں میں زندہ رہ سکتے ہیں اور کیا نہ کرے تو وہ چل نہیں سکتے۔

ایک ایسی جھیل پر جہاں ہم نے مچھلیوں کی بہت تلاش کی اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا میں نے بچوں کو وہ Seagulls دکھائیں جو اُڑ رہی تھیں اور نیچے اترتی تھیں اور کچھ لے کے نکل جاتی تھیں۔ناروے میں رہ کر کوئی انسان Seagulls پر بھی غور نہ کر سکے تو کتنی حیرت کی بات ہے۔کھلے

پانیوں میں ان کی زندگی کی بناء رکھ دی گئی ہے اور وہ روز اس یقین کے ساتھ جاگتی ہیں کہ ایک رَبُّ الْعٰلَمِيْن ہے جو ساری کائنات کا رب ہے اور ہمارے پالنے کے لئے اس نے سامان کر رکھے ہیں۔ وہ بھوکی نہیں مر سکتیں ورنہ انسان سوچے کہ اوپر سے پانی میں دیکھے تو اس کی سطح کے Reflection کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا۔ کہاں یہ کہ وہ مچھلی پر جھپٹے اور ایسے نشانے کے ساتھ جھپٹے کہ مچھلی عین اس کے پنجے میں آئے اور اسے وہ لے کے اڑ جائے اور ہر روز اس توکل کے ساتھ ہر جانور جاگتا ہے کہ میرا رزق میرے خدا نے مہیا کر رکھا ہے اور رزق لینے کی اور پکڑنے کی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ اب کوّوں کو صلاحیت نہیں، چیلوں کو یہ صلاحیت نہیں، لاکھوں کروڑوں، اربوں جانور ہیں جن کو یہ صلاحیت نہیں کہ سمندر کے پانی یا جھیلوں کے پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھ بھی سکیں اور پکڑ بھی سکیں۔

پس قرآن کریم فرماتا ہے۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا (بنی اسرائیل :85) کہ خدا تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی ایک شاکلت پہ پیدا کیا ہے اور اس کی شاکلت، جس طرح اس کو ڈھالا ہے، جس شکل میں ڈھالا گیا ہے اس میں آپ کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ اگر کریں گے تو وہ چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہر چیز اپنی ذات میں کامل اور مکمل ہے۔ پس دیکھو اس Seagull کو کہ کس طرح خدا تعالیٰ کے توکل پر اٹھتی اور توکل پر سوتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ نے اس کے توکّل کو ناکام نہیں کیا، نامراد نہیں کیا۔

اس مضمون کی طرف انسان کی توجہ پھیرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو کتنے ہی ایسے جاندار ہیں جن کا رزق تم پر نہیں ہے اللہ پر ہے۔ اللہ نے اس کے **مستقر** بھی اس کو بتا دیئے ہیں اور **مستودع** بھی بتا دیئے ہیں۔ اللہ نے اسے سمجھا دیا ہے کہ کن علاقوں میں اس نے لوٹ لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بتا دیا ہے کہ کن جگہوں پر عارضی ٹھکانے کرنے ہیں۔ پس وہ بے شمار جانور جو گرمیوں میں یہاں دکھائی دیتے ہیں اور سردیوں میں غائب ہو جاتے ہیں کبھی غور تو کریں کہ یہ آیات کریمہ آپ کو کیا سمجھا رہی ہے۔ ہر ایک کا ایک **مستودع** ہے، ایک **مستقر** ہے اور اسے پتا ہے کہ کتنی دیر میں کہاں ٹھہروں اور کس وقت میں وہاں سے روانہ ہو جاؤں۔

تو یہ وہ مضمون ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کا جو انسان جتنا غور کرتا چلا جاتا ہے اس کی طبیعت اپنی طرف لازماً مائل ہونی چاہئے اور جن اولوالالباب کا ذکر کیا ہے ان کی طرف ضرور

مائل ہوتی ہے۔ اچانک انسان ایک اور احساس کی دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ میں عالم کیا ہوں اصل عالم تو وہ ہے جو ساری کائنات پر اپنے علم کے ذریعے اپنے غلبہ کو کامل کئے ہوئے ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرہ: 256) اس کے علم کی کرسی ساری کائنات پر مسلط ہے زمین پر بھی اور آسمان پر بھی اور جہاں تک انسان کا تعلق ہے یہی آیت کرسی بتاتی ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ان کا علم تو اتنا بھی نہیں ہے کہ ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرّے پر احاطہ کر سکیں اتنی ہی توفیق ملتی ہے جتنی خدا اجازت دیتا ہے اس سے زیادہ اب ان کے علم کو آگے بڑھنے کی توفیق نہیں ملتی تو پھر ہم کیسے عالم اور اس عالم کی بناء ہم پر کیسے ہوگئی۔

جہاں تک مادی عالم کا تعلق ہے اس کی بناء علم پر ہے اس بات پر تو مفکرین سارے متفق ہیں کہ اگر علم نہ ہو تو گویا جہان غائب ہو گیا مگر ہمارے نہ ہونے سے تو اس جہان کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر غائب ہوگا تو معمولی سا ہوگا اور وہ وقت جو لامتناہی ہے جس کو ہم ازل بھی کہتے ہیں اور ابد بھی جس کا نہ ماضی میں کوئی کنارہ ہے نہ مستقبل میں، اس وقت میں ہماری سوچ کی کیا حیثیت ہے۔ وہ تو ساری کائنات میں کسی جگہ ایک باریک سا نقطہ بھی ڈال دیں تو وہ کائنات اس نقطے کے مقابل پر زیادہ عظیم ہے جتنے ازل اور ابد ہمارے سوچ کے نقطہ سے عظیم تر ہیں کیونکہ ازل میں اور ابد میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو سکیڑتی چلی جاتی ہے، سمیٹتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ چیز نظروں سے غائب ہو جاتی ہے تو عالم وہی ہے جو اللہ ہے۔

پس سورہ فاتحہ نے دیکھیں کیسا عظیم الشان علم و معرفت کا جہان ہمارے سامنے کھول دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اس کے بعد اس سے بڑھ کر انکساری کا سبق انسان کو کیا مل سکتا ہے کہ عالمین تو خدا سے قائم ہے۔ ان کا ذرّہ ذرّہ، ان کے باریک تر راز بھی اللہ پر روشن ہیں جو وہ بنانے والا ہے اور اس نے جو ہمیں بنا دیا تو ہمارے اندر بھی ایک عالمین بنا دیا ہے۔ اس ساری کائنات کا خلاصہ انسان ہے اور اس خلاصہ کو وہ عظمت بخشی جس کے مقابل پر ساری کائنات کی کوئی حیثیت نہیں رکھی۔ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: **لولاک لما خلقت الافلاک** (موضوعات کبری حرف لام روح المعانی جلد اول صفحہ: 70) یہ افلاک تو تیرے بنانے کے لئے سیڑھی تھے، ایک ذریعہ تھے۔ اگر تجھے نہ بنانا ہوتا تو اس کائنات کو آغاز ہی سے پیدا نہ کیا جاتا۔ کوئی ضرورت

نہیں تھی کیونکہ وہ سوچ جو زمانے اور Space، زمان و مکان میں پھیلتی ہے اس سوچ کو زمان و مکان میں پھیلنے کے باوجود زندگی نہیں ملتی۔ یہ اور نکتہ ہے جو آپ کو ضرور یاد رکھنا چاہئے۔

بڑے سے بڑا سائنس دان، بڑے سے بڑا فلسفی جو زمان و مکان کے مسائل کو حل کرتا ہے محض اپنی حکمتوں سے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر وہ خالق تک نہ پہنچ سکے تو عالم تک جو پہنچا ہے وہ تو ایک معمولی سی بات ہے۔ اس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ان کائنات کے رازوں اور ان کی وسعتوں کے مقابل پر جو خدا تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ ہاں اگر عالم تک پہنچ جائے العالم یعنی خدا تعالیٰ تک، اگر خالق تک پہنچ جائے تو گویا تمام عالمین تک پہنچ گیا گویا تمام عالمین کو اس نے فتح کر لیا۔ یہ وہ مقام محمدی ہے جس کو قرآن کریم نے کئی پہلوؤں سے پیش فرمایا ہے ﷺ۔ آپؐ اس مرتبہ تک پہنچے جہاں خدا تعالیٰ اپنی ایسی صفات کے ساتھ آپؐ کو دکھائی دینے لگا کہ اس سے پہلے کبھی کسی آنکھ نے اس صفائی اور اس لطافت کے ساتھ اپنے خدا کی صفات کا نظارہ نہیں کیا تھا۔ ان صفات حسنہ کا مظہر بنے تو آپؐ کا دل عرش عظیم کہلایا اور یہ جو سفر ہے یہ سوچوں کا وہ سفر ہے جس کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت آپ کو انگلی پکڑ کر لے جا رہی ہے۔

پہلے کائنات پر غور کریں مگر اللہ کی محبت کے ساتھ۔ اس کے بغیر یہ سارا غور بے کار ہو جائے گا۔ اللہ کا پیار دل میں ہو تو جتنا جتنا کائنات کے رازوں پر آپ کو دسترس ہوگی اتنا ہی خدا تعالیٰ کی محبت آپ کے دل پر غالب آتی چلی جائے گی۔ یہ سوچوں کا سفر بالآخر وہاں تک پہنچاتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقام ہے۔ چنانچہ اس کے معاً بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا یعنی مومن کے دل سے پھر یہ آواز اٹھتی ہے۔ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ یہ ایک حیرت انگیز ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہوا مضمون ہے۔ اس کی ترتیب پر غور کئے بغیر آپ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ بصارت کے سوا انسان کو شنوائی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر بصیرت ہے اور بصارت ہے تو پھر وہ سننے کی آواز آپ سنیں گے اور اس کا جواب دیں گے۔ ورنہ ایک اندھا حقیقت میں جو خدا تعالیٰ کی کائنات کے رازوں کا نظارہ نہیں کر سکتا اس کو وہ آواز سمجھ نہیں آئے گی کہ کیا کہہ رہے ہو تم۔ اس کو کہا جائے کہ دیکھو خدا نے نور پیدا کیا، خدا نے رنگ پیدا کیا، خدا نے توازن پیدا کیا وہ کہے گا مجھے تو کچھ پتا نہیں۔ آپ اسے کہیں کہ خدا نے اتنی وسیع کائنات پیدا کی۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے تو اپنے جسم کے باہر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ قدم رکھتا ہوں تو پتا کوئی

نہیں کہ گڑھے میں جاؤں گا یا کسی مضبوط زمین پر قدم رکھوں گا تو مجھے کیا اس سے۔

پس سَمِعْنَا کا مقام دیکھنے کے بعد آتا ہے، بصیرت اور بصارت کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ نے پہلے دیکھنے کا سفر شروع کیا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں، غور کرتے ہیں، وہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں وہ نئے نتائج نکالتے ہیں۔ اس وقت وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ انہیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز سنائی دے۔ اس وقت وہ سنتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہاں یہ درست ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ بے اختیار ان کے دل سے آواز اٹھتی ہے اے ہمارے رب ہم نے سن لیا جب ایک منادی کرنے والے یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے منادی کی لِلْاِيْمَانِ ایمان کی طرف بلایا اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا جب تک پہلے ربوبیت سے واقفیت نہ ہوئی ہو، ایمان بالغیب یہاں کام نہیں آتا۔ یہ مضمون ایک الگ اور وسیع اور گہرا مضمون ہے کہ ایمان بالغیب کا کیا مطلب ہے مگر یہاں اس موقع پر جو پچھلا مضمون ہے اس سے تعلق باندھا گیا ہے جہاں یہ عرض کیا تھا بندے نے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔

اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے یہاں تک پہنچایا گیا ہے کہ ہم نے اب ایک منادی کرنے والے کو سنا۔ پہلے تو ہمارا تصور محض سوچوں کی راہ سے خدا تک پہنچ رہا تھا، امکانات کی دنیا میں تھا، حقائق کی دنیا تک ابھی اس نے قدم نہیں رکھا تھا۔ مگر ایک حقائق کی دنیا والے نے آواز دی جو اپنے رب کے وطن سے آیا ہوا تھا یعنی رب کے وطن سے مراد ہے وہ رب جو اپنے مومنوں کی سوچوں میں بستا ہے اور جب اس تک رسائی ہو جائے تو گویا وہ خدا کا وطن بن جاتا ہے۔ پس خدا کا وطن اس پہلو سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وہ وطن تھا جس میں خدا اتر آیا تھا۔ پس جس نے خدا کا وطن دیکھ لیا اور پھر خدا کو دیکھنے کے بعد اترا ہو اور پھر آواز دے رہا ہو اس وقت ایمان میں ایک اور شان پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اپنے دیکھنے کے نتیجہ میں رب رب کہتے ہوئے بھی یہ عرض کرتے ہوئے کہ اے خدا ہم تجھے پہچان گئے ہیں ہمیں آگ میں نہ ڈالنا، ہم کوشش کریں گے ہم ٹھیک ہو جائیں۔ مگر یہ جو اقرار ہے یہ اصل اقرار اس وقت پیدا ہوا جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ منادی سنی ہے کہ اے سوچوں کی وادیوں میں بسنے والو! تمہیں ابھی بھی پتا نہیں کہ رب کون ہے۔ وہ رب مجھ سے پوچھو، میرے ذریعے دیکھو اور میری زبان سے سنو کہ وہ رب کیا ہے۔ یہ آواز جب سنی تو انہوں نے کہا

اٰمَنَّا اے خدا! ہم ایمان لے آئے۔

تو اب دیکھیں پہلا ایمان جو کتنا مضبوط اور شاندار دکھائی دے رہا تھا عام دنیاداروں سے کتنا ممتاز کر رہا تھا ان لوگوں کو جو خدا کی یاد میں کائنات پر غور کرتے ہوئے سوچوں کے سفر اختیار کرتے ہیں، لگتا تھا بس یہی منزل ہے اس کے بعد کوئی منزل نہیں لیکن پھر ایک وصل کی منزل آئی ہے جو اندر کی راہ دکھانے والی ہے جو بتاتی ہے کہ میں ہو آیا ہوں وہاں سے جس طرف تم جا رہے ہو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ جھوٹ ہے اور یہ دستور آنحضرت ﷺ کی اپنی زندگی کے ہر معاملے میں تھا۔ ایک دفعہ مدینہ میں رات کو شور پڑا اور خطرہ تھا کہ کسی طرف سے کوئی شرارت پیدا ہو رہی ہے لوگوں نے جلد سے جلد اپنی گھوڑیوں پر کاٹھیاں کسیں اور ان کو زینیں پہنائیں اور جب وہ روانہ ہوئے دیکھنے کے لئے وہ کون سی جگہ تھی۔ تو محمد رسول اللہ ﷺ واپس آ رہے تھے۔ تو یہ رسول اللہ ﷺ کی واپسی کا سفر تھا آپ نے ان کو بتایا کہ میں دیکھ آیا ہوں فکر کی کوئی بات نہیں جو بھی خطرہ تھا وہ ٹل گیا ہے۔

پس خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ واپس آنے والا وجود ہے جو ان مومنوں کو ملتا ہے جو ابھی سفر میں، ابھی رستے میں ہیں اور جب وہ کہتا ہے کہ ہاں میں خدا کو دیکھ آیا ہوں۔ میں نے اپنے رب کا نظارہ کیا ہے تو پھر یہ کہتے ہیں اٰمَنَّا اے خدا! اب ہمیں پتا چلا ہے کہ ایمان ہوتا کیا ہے؟ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وہ آگ جس سے بچنے کی دعا مانگی گئی تھی وہ اب پوری ہوئی ہے۔ وہ محض ایک ایسی دعا نہیں تھی جو آپ نے مانگی اور یقین کر لیا کہ اب ہم بچ گئے۔ ہم نے آگ سے بچنے کی دعا مانگی ہے۔ اس کے پورا ہونے کی علامتیں نظر آنی چاہئیں اور وہ علامتیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پہچان ہے، آپ پر ایمان لانا ہے، آپ کے دعاوی پر ایمان لانا ہے۔ اس کے بعد خدا یہ دعا سکھاتا ہے رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا پھر مغفرت کا سفر شروع ہوتا ہے وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اور ہم میں تو بہت سی کمزوریاں ہیں۔ کمزوریوں کو دور کئے بغیر ہم کیسے تیری عقوبت سے بچ سکیں گے۔ اس لئے اب پہلوں کی تو مغفرت فرما دے اور آئندہ اب تو ہی ہماری کمزوریاں دور کر کیونکہ ہمیں اپنی کوششوں سے تو کمزوریاں دور ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔ بارہا انسان کوشش کرتا ہے ہر دفعہ ناکام ہو جاتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ پر جو ایمان لانا ہے اس کا تقاضا یہ ہے جس کا مطلب ہے کہ آنحضور ﷺ میں یہ باتیں تھیں جو اپنے پر ایمان لانے والوں کو سمجھائیں کہ جس خدا تک میں پہنچا ہوں، جہاں سے ہو کر میں آیا

ہوں وہ بڑی مغفرت والا خدا ہے اور بغیر گناہوں کی بخشش کے تمہیں اس کی لقاء نصیب نہیں ہوسکتی۔ تم اس لقاء سے محروم رہو گے اگر پہلے بخشش نہیں کراؤ گے۔ کتنے گہرے راز کی بات بتائی اور خدا سے متعارف ہونے والا انسان ہی ہے جو یہ راز بتا سکتا ہے۔ یہ سفر کی باریکیاں محض اس بات سے تو نہیں مل سکتیں کہ انسان نے سوچا، غور کیا، خدا کی قدرت کے نظارے دیکھے اور ان سے مرعوب ہوا، ان کے حسن سے وہ گھائل ہو گیا، خدا کی ہستی اور اس کے حسن کا قائل ہو گیا یہ ساری چیزیں سوچوں کی باتیں ہیں بہت اچھی لگتی ہیں مگر معرفت کے راز نہیں ہیں۔ معرفت کا راز وہی ہے جو خدا نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہمیں سمجھایا کہ دیکھو میں مغفرت کرنے والا ہوں جو تمہاری زندگی گزر گئی ہے کوئی نہیں جانتا کہ ساری گزر گئی ہے یا کچھ باقی ہے۔ ایک بچہ بھی نہیں جانتا کہ میری کتنی زندگی باقی ہے، کتنی گزر گئی ہے اور زندگی کا ہر حصہ جو گزرا ہوا ہے وہ بہت سی کوتاہیوں کا شکار ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال میں جو کوتاہیاں ماں باپ سے ہو جاتی ہیں ان کا بھی نقصان بچوں کو پہنچ رہا ہوتا ہے۔ انسان اپنے فرائض منصبی سے جو کوتاہی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے جو دوسری طرف توجہ پھیرتا ہے یہ بھی اس کے دل پر زنگ لگانے والی چیزیں ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے ایک غسل کا طریق بتایا اور وہی طریق ہے جو صحابہؓ کی زبان سے جاری ہوا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے اللہ ہمیں غسل کی توفیق بخش۔ سارے گناہوں کے داغ مٹ جائیں۔ وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اور نہا دھو کر جب آپ بعد میں باہر نکلیں تب بھی آپ کے جسم کی وہ کمزوریاں، وہ بھیانک داغ جو جسم کا حصہ بن چکے ہیں وہ دھونے سے دور نہیں ہوا کرتے۔ وہ سَیِّاتِ ہیں جو ہمیشہ آپ کو کمزوریوں میں پھر بھی مبتلا کر سکتی ہیں۔ ایک آدمی لنگڑا ہے، ایک آدمی کانا ہے ایک آدمی کو کوئی اور سوچ کی طاقت نہیں ہے یہ اس کی سَیّات ہیں۔ روحانی دنیا میں انہی کو سَیّاتِ کہا جائے گا۔ فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا کہ پھر یہ دعا کرنا یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ پیغام دیا، یہ دعا کرو۔ اے خدا! اب ہماری کمزوریاں دور فرما دے۔

اور آخری بات جو مانگی گئی ہے وہ میں آپ کو بتاتا ہوں اس کو مانگے بغیر ناروے کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ جب تک یہاں جماعت احمدیہ کا بوڑھا، بچہ، ہر مرد اور ہر عورت جب تک وہ زندگی حاصل نہ کر لیں جس زندگی کا ان آیات میں ذکر ہے اس وقت تک وہ زندگی کا کوئی پیغام ناروے کو نہیں دے سکتے۔ کوئی زندگی بخش رستہ اختیار نہیں کر سکتے جس سے اس مردہ ملک کو یا نیم مردہ

ملک کو زندہ کر دے۔ وہ یہ رستہ ہے۔ چنانچہ فرمایا آخری بات یہ اور کتنی گہری حکمت اور معرفت کی بات ہے کہ کمزوریاں دور کرنے کا سفر بھی تو وقت چاہتا ہے اور بعض انسان اتنی کمزوریوں میں مبتلا ہیں کہ ان کو وقت مل ہی نہیں سکتا اور عمر کے ایسے حصے میں ان کا احساس بیدار ہوا ہے جب کہ اکثر عمر کا وقت گزر گیا اور ضائع ہو گیا تو آخری دعا کیسی پتے کی، کیسی گہری دعا ہے جو سمجھا دی۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اب ہمارا جو کچھ ہے تیرے سپرد ہو گیا۔ کمزوریاں دور کر اور کیسے دور کر اور کتنی رفتار سے دور کر یہ تیرا کام ہے۔ اب ہم نے تو عرض حال کر دی۔ ایک ہی التجاء ہے کہ مارنا نہیں جب تک کہ ہم تیرے حضور نیکوں میں نہ لکھے جائیں۔ یہ وہ درجہ کمال ہے جو مومن کے سفر کا ہے۔ جو اس طرح آغاز میں کائنات کی مردہ چیزوں پر غور کرنے سے شروع ہوتا ہے پھر زندگی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ پھر اپنی طرف اور ایک نکتہ ہے جو یاد رکھنے کے لائق ہے۔ آغاز اللہ کی محبت سے کریں گے تو سفر کامیاب ہوگا لیکن وہ محبت جو بعد میں نصیب ہوگی وہ ابتدائی درجہ کی محبت کے مقابل پر بدرجہا بہتر ہوگی کیونکہ ابتدائی محبت تو بعض دفعہ دہریوں کو بھی ہو جاتی ہے یعنی ان کو خدا کے اوپر یقین نہیں پھر بھی دل چاہتا ہے کہ کوئی ایسی چیز ہو۔ کافروں کو بھی نصیب ہو جاتی ہے ہر مذہب والوں کے دل میں، ہر شریف آدمی کے دل میں خدا تعالیٰ نے اپنی محبت کا نمک چھڑکا ضرور ہے لیکن وہ کام نہیں آتی جب تک آنحضرت ﷺ سے محبت کے گر نہ سیکھیں جائیں اور آپ ہی کے حضور التجا نہ کی جائے کہ ہمیں اپنے غلاموں میں شامل کر لیں۔ پھر آپ کے سکھائے ہوئے رنگ اختیار کر کے جس طرح حضور نے فرمایا یعنی خدا نے آپ کو سمجھایا اور آپ نے ہمیں سمجھایا اس طرح اگر آپ سفر شروع کریں اللہ کی طرف تو اس کا انجام لازماً نیک ہوگا اور ایسے لوگوں میں تبدیلی پیدا کرنے کی صلاحیت خدا کی طرف سے ملا کرتی ہے آپ کے اندر انقلاب برپا کرنے کی ایسی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ ناممکن ہوگا دنیا کی کسی قوم کے لئے کہ وہ آپ کی راہ میں کوئی دیوار کھڑی کر سکے ہر روک کو آپ عبور کر جائیں گے اور دلوں کی فتح آپ کے نام لکھی جائے گی۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ خدا کرے کہ جلد جلد ہم ناروے کے حالات کو بدلتا ہوا دیکھیں۔ وہ آرزو جو دیر سے، مدتوں سے میرے دل میں چٹکیاں بھرتی ہے کاش ہم یہاں Norwegian قوم کو جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتا دیکھیں۔ خدا کرے کہ اس آرزو کے پورا ہونے کے دن قریب تر آجائیں۔ آمین